اخفائے معانیٔ قرآن اور اشتراکِ لفظی: معنوی اثرات

حبیب احمد[*]

ڈاکٹر محفوظ احمد[**]

ABSTRACT

Last revelation namely al- Quran has addressed the human beings in an eloquent way using all types of expressions and diction. The divine method of articulation for holy commandments is miraculous and opts all appealing techniques of communications that also includes use of homographs and metaphors. The word that are spelled the same but have different meaning are called Homographs. The reciter and reader of the Quran faces some difficulty in deciding the meaning of a Homographs used in the Quran that leads to difference of opinions. In the books of Quranic Sciences this term is called Mushtarak al –Lafzi. The article has been aimed to elaborate what is Mushtarak al –Lafzi and what are the impact of vagueness originated from these words of the Quran on Quranic exegesis. Some examples have been produced from the books of Quranic Studies regarding its influence on exegetical literature.

Keywords: مبہم، مشترک استنباط، اخفائے معانی، ایجاز، اطناب، نصوص

قران کریم اللہ تعالی کی طرف سے آخری کتابِ ہدایت ہے جس میں نسلِ انسانی کی ہدایت کے لیے تمام اصولی احکامات موجود ہیں۔ اہلِ عقل ودانش کے لیے اس کتاب کے بحرِ بے کنار میں غواصی کے لامتناہی امکانات موجود

[*] پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور

[**] پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، دی یونیورسٹی آف لاہور، لاہور

ہیں اور تا قیامت موجود رہیں گے۔ اللہ تعالی نے اس عظمت والی کتاب میں تفکّر و تدبّر کا حکم دیا جس کی وجہ سے اس کی مراد کو سمجھنے اوراس میں بے شمار علوم واَحکام کے استنباط کی طرف پاکیزہ اذہان متوجہ ہوئے، نزولِ قرآن کے وقت آپ ﷺ کے اولین مخاطب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جب انہیں قرآنی آیات کے فہم میں مشکل پیش آتی تو آپ ﷺ اس کی تبیین فرمادیتے جو آپ کے فرائض میں سے تھا، اس لیے کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾[1]

" اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ بیان کریں لوگوں کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔"

صحابہ کرام باوجود عربی دان ہونے کے اس کی فہم کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع فرماتے آپ ﷺ انہیں معانئ قرآن سے آگاہ فرماتے اور تدبّر کا حکم فرماتے، نتیجتاً تفکّر و تدبّر فروغ پانے لگا۔ جب اسلام عرب سے نکل کر عجم میں داخل ہوا تو کتاب اللہ سے راہنمائی کی ضرورت کے پیشِ نظر مفسّرین کے نقطہ ہائے نظر میں وسعت پیدا ہوئی جس سے تفسیرِ قرآن میں بہت سے رجحانات وجود میں آئے۔ ہر مفسّر نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے نص سے استدلال کیا جس سے کلامِ الٰہی کی علمی برتری کی شان واضح ہوئی نیز تفکّر و تدبّر کی راہ واضح ہونے لگی۔ تفسیرِ قرآن میں بہت سے رجحانات کا پیدا ہونا فطری امر تھا، مفسّرین کے اختلافات سے علما نے محسوس کیا کہ اس کی نوعیت کو واضح کیا جائے۔ مفسّرین کے تفسیری اختلافات کے اسباب میں سے ایک سبب قرآن میں عربیت، فصاحت اور زبان وبیان کے کمالات وبلندی کے باعث معانی میں پوشیدگی اور بُعد کا پایا جانا ہے جس کی وجہ سے تفسیری تنوع پیدا ہوا۔ قرآن کے وہ مقامات جہاں معنی میں پوشیدگی اور بُعد کی وجہ سے تفسیری اختلاف پیدا ہوا اس کو جاننا بہت ضروری ہے اور اس کا صحیح علم اخفائے معانئ قرآن کی مباحث جاننے سے ہی ہو گا۔

جہتِ اخفا کی تفہیم

قرآن کریم ہر اعتبار سے معجزہ ہے اس میں حقیقت مجاز، صریح کنایہ، ایجاز اطناب، التفات، تقدیم وتاخیر سبھی اسلوب وانداز موجود ہیں۔ قرآن کا اطلاق اس کے الفاظ اور معانی دونوں پر ہوتا ہے اور اس کی پیروی صرف

---

[1] ۔ النحل 44:16

اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے الفاظ اور معانی کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، قرآنی علوم اور اس میں اسرار و رموز کے حوالے سے یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ جہاں قرآن کریم کو کسی جہت سے بھی سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے اس کو واضح کیا جائے تا کہ تدبّرِ قرآن کے فرمان پر عمل ہو سکے۔ قرانِ کریم کے معنی میں پوشیدگی اور بُعد کو اخفاء کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے[1]۔

سورۃ القمر میں بار بار اس کا اعادہ کیا گیا ہے کہ قرآن یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے اعتبار سے آسان ہے لیکن جہتِ استنباط و استخراج سے بہت زیادہ توجہ کا متقاضی ہے کیوں کہ اس کے معانی میں پوشیدگی اور اجمال ہے۔ معنی میں پوشیدگی اور اجمال کی وجہ سے علمِ تفسیر اور دوسرے علوم وجود میں آئے اور اسی طرح قرآن کریم کی مراد کو سمجھنے کی غرض سے احادیث اور اقوالِ صحابہ و تابعین کی طرف رجوع کیا جانے لگا۔ قرآن کریم میں جہتِ اخفاء کی تعیین و تفہیم اور اسباب کا ذکر اس مضمون میں کیا جائے گا۔

اخفائے معانیٔ قرآن بحثیتِ اصطلاح

اخفائے معانیٔ قرآن کی اصطلاح کو حضرت شاہ ولی اللہؒ (م 1176ھ) نے کتاب ''الفوز الکبیر فی اصول التفسیر'' میں استعمال کیا، آپ نے دوسرے باب کا عنوان یہ لکھا:

> "الباب الثانی فی بیان وجوہ الخفا ء فی معانی نظم القرآن باالنسبۃالٰی اہل ہذا العصر،وازالۃذلک الخفاءباوضح بیان" -[2]
>
> ''دوسرا باب اس زمانہ کے لوگوں کی طرف نظر کرتے ہوئے نظمِ قرآن کے مطالب سمجھنے میں پیش آنے والی پوشیدگی کی اقسام اور اس پوشیدگی کو نہایت واضح طریقے پر دور کرنے کے بیان میں۔''

قرآن کریم میں اگرچہ بعض مقامات کی توضیح دوسرے مقامات سے ہو جاتی ہے لیکن ایسے مقامات چند ہیں، کیوں کہ بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے معنی میں بہت زیادہ گہرائی اور مراد میں بہت زیادہ اخفاء ہے اس اعتبار سے شاہ ولی اللہؒ نے اس کی وضاحت کی اور پورا باب اخفاء کی تفہیم اور اس کے حل میں لکھا۔ اب لفظِ اخفاء کی

1۔ جس کی وضاحت آگے آ رہی ہے۔

2۔ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، دار الغوثانی للدراسات القرآنیۃ، دمشق 1429ھ، ص 53

لغوی تفہیم کی جاتی ہے۔

اخفاء کا لغوی مفہوم

امامِ لغت امام جوہریؒ (م393ھ) اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

خفی: خفيت الشئ اخفيه: كتمته[1]۔ خفی: خفیت الشئ اخفیہ سے ہے اس کا مفہوم اس نے اس کو چھپا دیا۔

اس سے واضح ہوا کہ اس کا معنی چھپا دینا پوشیدہ کرنا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

معانئ قرآن کے فہم میں رکاوٹ پیدا کرنے والے تمام اسباب اور تمام وجوہات جن کا تعلق الفاظ واُسلوبِ قرآن سے ہو اسباب اخفائے معانئ قرآن ہیں کیوں کہ ان کے باعث ذہن سے معانی اوجھل ہو جاتے ہیں یا ذہن ان کی دِقّت کے باعث معانی کو صحیح سمجھ نہیں پاتا یا معانی اتنے بعید ہو جاتے ہیں کہ فہم تک رسائی نہیں ہوتی، اب اس کی روشنی میں اصطلاحی تعریف یوں ہو گی:

> "قرآن کی نصوص کی معنوی تفہیم سے متصادم مختلف اسباب ووجوہات کے نتیجے میں معانئ قرآن تک رسائی میں پیش آنے والی صعوبتِ تفہیم یا عدمِ تفہیم کو اخفائے معانئ قرآن کہا جاتا ہے"۔

متقدمین علمائے علوم القرآن کے ہاں اخفاء

وہ اُمور جو فہم میں دشواری پیدا کرتے ہیں ان کو علما نے مختلف ناموں سے تعبیر فرمایا، ماہرینِ علوم القرآن میں سے علامہ بدرالدین زرکشیؒ (م794ھ) نے "البرھان فی علوم القرآن" میں اکتالیسویں نوع[2] اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م911ھ) نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں چھیالیسویں نوع[3] کے تحت اجمال کے نام سے تعبیر فرمایا، اجمال سے مراد جو مبہم ہو اور اس کی دلالت واضح نہ ہو، یہ مفصّل کے مقابل مستعمل ہے، علمائے علوم

1۔ جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، تحقیق: احمد عبد الغفور العطار، دار الملایین، بیروت، 1407ھ، 6/2329

2۔ زرکشی، محمد بن عبد اللہ، بدرالدین، البرھان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، دار المعرفة، بیروت 1376ھ، 2/209

3۔ سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم، الھیئة المصریة عامة الکتاب، 1394ھ، 3 / 59

القرآن نے اجمال کو اس معنی میں استعمال کیا جو قرآن کے معنی کی تفہیم میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں، متاخرین نے اس کو اخفا کا نام دیا، اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے برصغیر میں حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب الفوزالکبیر میں دوسرا باب اسی اخفاء کے بارے میں لکھا۔ الموسوعۃ القرآنیہ میں الانباریؒ (م1414ھ) نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔[1]

اخفائے معانئ قرآن کے اسباب

قرآن کے معانی میں پوشیدگی اور بُعد کی وجہ سے اِس میں اخفاء موجود ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

1: اللہ تعالی نے اس کتاب کی تبیین کی ذمہ داری آپ ﷺ پر عائد فرمائی کیوں کہ اس کے معانی میں بہت وسعت اور گہرائی ہے، آئمہ تفسیر میں سے امام رازیؒ (م606ھ) اور امام ابن حیانؒ (م745ھ) لتبين للناس کی تفسیر میں اس سوال کا جواب دیتے ہیں، پہلے امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں جو بحث ذکر کی اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے۔

امام رازیؒ نے پہلے خود سوال قائم کیا جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ اس آیت کا ظاہر تقاضا کر رہا ہے کہ قرآن رسول اللہ ﷺ کے بیان کی طرف محتاج ہے اور جو بیان کا محتاج ہو وہ مجمل کہلاتا ہے پس اس نص کا ظاہر تقاضا کر رہا ہے کہ قرآن سارا مجمل ہے، اس بنا پر بعض نے کہا کہ جب قرآن اور حدیث میں تعارض ہو تو حدیث کو مقدم کرنا واجب ہے کیوں کہ قرآن مجمل ہے اور اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ حدیث قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اور جو مبین ہو وہ مجمل پر مقدّم ہوتا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> "ان القرآن محكم و منه متشابه،والمحكم يجب كونه مبينا فثبت ان القرآن ليس كله مجملا بل فيه ما يكون مجملا"۔[2]

> "بیشک قرآن محکم ہے اور بعض متشابہ بھی ہے اور محکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبین ہو، پس ثابت ہو گیا کہ قرآن سارا مجمل نہیں ہے بلکہ بعض مجمل ہے"۔

جواب کا ماحاصل یہ ہے کہ معنی میں پوشیدگی ہونے کی وجہ سے خالقِ کائنات نے آپ ﷺ کی تبیین کی ذمہ

---

[1] ۔ ابراہیم بن اسماعیل، مصری، الموسوعۃ القرآنیۃ، 1405ھ، مؤسسۃ سجل العرب، 2/187

[2] ۔ رازی، ابوعبداللہ محمد بن عمر، الملقب فخر الدین، مفاتیح الغیب، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1420ھ، 20/212

داری لتبین فرما کر لگائی اور اس کی صراحت امام رازیؒ نے کر دی۔ واضح ہوا کہ قرآن کا بعض مجمل ہے جس کی وجہ سے اس کی تفسیر و تشریح کے لیے صحابہ کرامؓ رسول اللہ کی طرف رجوع فرماتے۔

امام ابن حیانؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

> قیل :الذکر العلم ما نزل الیہم من المشکل والمتشابہ ،لان النص والظاھر لا یحتاجان الیٰ بیان۔۔۔ ویُحْتَمَل ان یرید لتبین بتفسیرک المجمل وشرحک ما اشکل ۔[1]
>
> "ذکر سے مراد وہ علم ہے جو مشکل اور تشابہ کی صورت میں نازل ہوا کیوں کہ ظاہر اور نص بیان کے محتاج نہیں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ لتبین سے مراد آپ ﷺ کا مجمل کی تفسیر اور مشکل کی شرح کرنا ہے"۔

2: قرآن کے معانی میں اخفاء کی وجہ سے ہی علمِ تفسیر اور اس سے ملحقہ علوم وجود میں آئے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہوا، اسی طرح "القرآن یفسّر بعضہ بعضا" یہ قاعدہ جمہور مفسّرین نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا اور تفسیرِ قرآن میں سب سے اول درجہ اس کو دیا اور اس کو احسنِ تفسیر کہا گیا جیسا کہ اس ضمن میں قرآن میں ہے:

﴿وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا﴾[2]

3: صحابہ کرام کو جب قرآنی آیات کی تفہیم میں مشکل پیش آتی تو آپ ﷺ اس کی تبیین فرماتے اور آیت سے پیدا ہونے والے اشکال کا جواب عنایت فرماتے، جس کی امثلہ کتبِ تفسیر میں پائی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے آئمہ کتبِ ستہ نے اپنی کتب میں تفسیری ابواب قائم فرمائے جو کہ کتبِ احادیث میں مذکور ہیں۔

اس بحث سے واضح ہوا کہ قرآن میں اخفاء ہے اور مفسّرین نے اس کو بیان کیا ہے لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ اجتہادی میدان ہے اور اخفاء کی تعیین اور تبیین کے ضمن میں وضاحت کی طرف راہنمائی صرف وہی عالم کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالی نے زبردست قوتِ فہم وادراک سے نوازا ہو اور اس کا دل نورِ بصیرت سے منوّر ہو۔ معانیٔ قرآن کی تفہیم میں جو اخفاء پایا جاتا ہے اس کے مفسّرین نے کئی اسباب ذکر کیے ہیں۔ یہاں دو باتیں

---

[1] ۔ابن حیان، محمد بن یوسف، اندلسی، البحر المحیط فی التفسیر، تحقیق: صدقی محمد جمیل، دار الفکر، بیروت 1420ھ، 534/6

[2] ۔الفرقان 33:25

قابل ذکر ہیں۔ پہلی یہ کہ متقدمین علما کے ہاں اجمال سے مراد اخفاء ہی ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں اخفاء کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ وہ سمجھ سے بالاتر ہے، کسی کی رسائی وہاں تک نہیں بلکہ یہ قاری اور ناظر کے اعتبار سے ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آیت کا معنی کسی ایک کے لیے سمجھنا بہت مشکل ہو اور یہ مشکل سب کے لیے ہو، کیوں کہ قرآن فہمی میں سب لوگ برابر نہیں ہیں لہٰذا واضح ہوا کہ جہتِ استدلال واستنباط کے اعتبار سے قرآن میں اخفاء ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ اخفاء کی تعیین و تفہیم ایک اجتہادی میدان ہے اور جن کو اللہ تعالی نے استنباط کا ملکہ عطا فرمایا ہے وہ اس میدان میں ان شاءاللہ اپنا بھرپور کردار ادا کرتے رہیں گے۔

قرآن کریم میں اخفاء کے علمائےعلوم القرآن نے مختلف اسباب بیان کیے ہیں بعض نے دس اور بعض نے اس سے کم بیان کیے ہیں، علامہ زرکشیؒ اور علامہ سیوطیؒ نے نو(9) اسباب بیان کیے۔

1۔اشتراک 2۔حذف 3۔مرجع ضمیر کا تعین 4۔مقامِ وقف وابتدا 5۔لفظ کا غریب ہونا 6۔قلیل استعمال ہونا 7۔تقدیم وتاخیر 8۔لفظِ منقول کو بدل دینا 9۔ظاہر میں کلام کا وہ تکرار جو وصل کو قطع کرے۔

الموسوعۃ القرآنیہ میں بھی یہی اسباب بیان کیے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے فہمِ مراد میں دشواریوں کے دس اسباب ذکر کیے جو درج ذیل ہیں:

1:لفظ کا غریب ہونا 2:ناسخ منسوخ سے عدمِ واقفیت 3:اسبابِ نزول کا علم نہ ہونا 4:حذف(مضاف، موصوف یا اس کے علاوہ حذف ہونا)

5:ابدال (ایک کو دوسرے سے بدلنا) 6:تقدیم وتاخیر 7:انتشارِ ضمائر (ضمیر کے مرجع کا مختلف ہونا)

8:اطناب 9:ایجاز

10:کنایہ، تعریض، متشابہ اور مجاز عقلی۔

اس آرٹیکل میں صرف ایک سبب "اشتراک" کو بیان کیا جائے گا اور اس میں معنی کی پوشیدگی کے سبب جو مفسّرین میں اختلاف ہوا اس کی وضاحت کی جائے گی۔

اشتراک

کسی معنی پر دلالت کرنے کے لحاظ سے لفظ کی متعدد اقسام ہیں ان میں سے ایک قسم مشترک ہے۔ مشترک وہ لفظ ہے جو اپنی لغوی اصل کے اعتبار سے دو یا دو سے زیادہ معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ علوم القرآن کے علماء نے جس طرح مشترک کو مفسّرین کے اختلافات کے اسباب میں سے ایک سبب قرار دیا اسی طرح اصولیین کے ہاں مشترک کا استعمال موجود ہے اور وہ اصولی اور فروعی مسائل میں اسے اختلافات کا ایک سبب قرار دیتے ہیں۔

مشترک کا لغوی مفہوم : معجم اللغۃ العربیہ المعاصرہ میں اس کا معنی یہ بیان کیا ہے:

"اشترک فی یشترک ،اشتراکا،فہومشترک ،والمفعول مشترک"

اشترک الامر:اختلط والتبس اشترک اللفظ:احتمل اکثر من معنی"[1]

"مشترک یہ اشتراک سے ماخوذ ہے اسم فاعل مشترِک اور اسم مفعول مشترَک ہے،اشترک الامر اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی معاملہ خلط ملط اور ملتبس ہو جائے،اشترک اللفظ سے مراد جس میں زیادہ معانی کا احتمال ہو"۔

مشترک کی اصطلاحی تعریف اور اختلاف

علمائے علوم القرآن کے درمیان اس کی تعریف میں اختلاف ہے اس اختلاف کی وجہ علما[2] کا مشترک کو علمِ وجوہ ونظائر کی ایک قسم قرار دینا ہے،ان کا نظریہ ہے کہ متعدد الدلالۃ الفاظ جو ایک ہی صورت اور مادہ سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کے معانی مختلف ہوں اور یہ وضع متعدد بار ہو تو یہ مشترک لفظی ہے اور اگر لفظ کے حقیقی معانی کے ساتھ مجازی معنی بھی ہوں تو اس لفظ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ مختلف وجوہ رکھتا ہے اس بنا پر مشترک کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے، علم وجوہ ونظائر کی تعریف سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

علم الوجوہ والنظائر

علوم القرآن کی اہم نوع علم وجوہ ونظائر ہے جس میں ایسے مشترک اور متعددالدلالۃ الفاظ،ان الفاظ کے متعدد

1۔ احمد مختار،عبد الحمید عمر، معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ،عالم الکتاب1429ھ،2/1194

2۔ سیوطی،عبد الرحمٰن بن ابی بکر، جلال الدین، معترک الاقران فی اعجاز القرآن، دار الکتب العلمیۃ، بیروت1408 ھ، 1 / 387

معانی میں استعمالات اور ان استعمالات کے معنوی اثرات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے جو قرآن میں مختلف مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک ہی لفظ کے متعدد معانی میں استعمالات سے بلاغت کا اعجازی شان نمایاں ہوتا ہے۔

وجوہ و نظائر کی لغوی تعریف

وجہ کی جمع وجوہ ہے۔ وجہ کا لفظ متعدد معانی میں مستعمل ہے جن میں چہرہ، جہت، دن کا اول حصہ اور مبدا و مقصد شامل ہیں لسان العرب میں ہے:

"وجه الكلام :السبيل الذى تقصده"۔ [1]

"وجہ الکلام سے مراد وہ مقصد ہے جس کے لیے کلام کا یہ انداز اختیار کیا گیا ہو"۔

نظائر نظیر کی جمع ہے جس کے معانی مثل، مانند اور مشابہ کے ہیں۔ ابن منظور اس بارے میں لکھتے ہیں:

"والنظير:المثل،وقيل المثل فى كل شئ۔وفلان نظيرک اى مثلک لانه اذا نظراليهما الناظر راهما سواء"۔ [2]

"نظیر بمعنی مثل ہے۔ کہا گیا ہے: ہر چیز میں کوئی چیز دوسرے کی طرح ہو تو نظیر ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ فلاں تمہاری نظیر ہے تو مطلب تمہاری مثل ہے کیونکہ جب کوئی دیکھنے والا دونوں کی طرف دیکھے گا تو اسے دونوں ایک سے دکھائی دیں گے"۔

اصطلاحی تعریف

اس فن سے متعلق قدیم علما کی کتب سے اصطلاحی تعریف کے بارے میں دو آرا موجود ہیں۔

1: علامہ ابن جوزیؒ کا موقف ہے کہ قرآن کریم کے وہ الفاظ جن کا مادہ اشتقاق اور حرکات ایک ہی ہوں لیکن قرآن میں مختلف مقامات پر وہ مختلف معانی میں استعمال ہوئے ہوں، ان کو نظائر اور ان کے مختلف معانی کو وجوہ کہا جائے گا۔ جیسے لفظِ اجر ہے اس کا مادہ ا ج ر ہے اس کا معنی بدلہ ہے۔ قرآن میں یہ لفظ مہرِ نکاح، اجرت، ثواب اور نفقہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ مختلف معانی اس کی "وجوہ" ہیں اور ہر وہ قرآنی مقام جہاں اس خاص

1۔ لسان العرب، 556/13

2۔ لسان العرب، 219/5

معنی یہ لفظ استعمال ہوا ہے یہ اس کی "نظیر" ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں:

"واعلم ان معنى الوجوه والنظائر ان تكون الكلمةواحدة،ذكرت في مواضع من القرآن على لفظ واحد ،وحركةواحدة،واريد بكل مكان معنى غير الآخر ،فلفظ كل كلمة ذكرت في موضع نظير للفظ الكلمة المذكورة في المواضع الآخر،وتفسير كل كلمةبمعنى غير معنى الآخرى هو الوجوه ـفاذن النظائر :اسم للالفاظ،والوجوه :اسم للمعانى"۔ [1]

"جان لو کہ وجوہ و نظائر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی کلمہ جو قرآن میں مختلف مقامات پر لفظِ واحد اور حرکتِ واحد کے ساتھ استعمال ہوا ہو لیکن ہر جگہ مختلف معنی مراد لیے گئے ہوں۔ چنانچہ ہر لفظ جو کسی مقام پر مذکور ہے، دوسرے مقام پر مذکور لفظ کی نظیر ہے اور ہر لفظ کا معنی جو دوسرے لفظ سے مختلف ہے وہ وجوہ ہیں۔ لہٰذا الفاظ کا نام نظائر اور معانی کا نام وجوہ ہے"۔

2: علامہ زرکشیؒ اور سیوطیؒ نے وجوہ و نظائر کی تعریف یہ بیان فرمائی:

"فالوجوه اللفظ المشترك الذى يستعمل في عدة معان كلفظ الأمة والنّظائر كالألفاظ المتواطئة" [2]

"وجوہ مشترک لفظ کی ہوتی ہیں جو متعدد معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے امت کا لفظ اور نظائر سے مراد مترادف الفاظ ہیں"۔

اس موقف کے مطابق امت کا لفظ چونکہ فرد، جماعت، قوم اور مخلوق کے معنوں میں مستعمل ہے یہ سب اس کی وجوہ ہیں اور قرآن میں قریہ، بلد اور مدینہ کے الفاظ مترادف ہیں لہٰذا یہ نظائر ہیں۔

درج ذیل وجوہات کی بنیاد پر علامہ ابن جوزیؒ کا موقف راجح ہے:

1۔ علمِ وجوہ و نظائر پر آئمہ فن کی کتب میں علامہ ابنِ جوزیؒ کے موقف کے مطابق امثلہ مذکور ہیں اس لیے

---

[1] ۔ ابنِ جوزی، عبد الرحمان بن علی، نزہۃ الاعین النواظر فی علم الوجوہ والنظائر، تحقیق: محمد عبد الکریم، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت 1987ء، ص 83

[2] ۔ البرہان فی علوم القرآن، 1/ 102۔ الاتقان فی علوم القرآن، 2/144

اس موقف کو اہلِ علم کی طرف سے ترجیح حاصل ہے۔

2۔ علامہ زرکشیؒ وسیوطیؒ نے مترادف الفاظ کو نظائر قرار دیا جبکہ علمائے لغت کے ہاں کسی زبان میں ترادف کا وجود محلِ نظر ہے اور اکثریت مترادفات کے وجود کی قائل نہیں۔

3۔ خود علامہ سیوطی نے نظائر کی کوئی مثال نہیں دی۔ [1]

وجوہ اور مشترک کے درمیان فرق

مشترک اور وجوہ کے درمیان درج ذیل فروق پائے جاتے ہیں:

1۔ وجوہ کا دارومدار ہمیشہ استعمال پر ہوتا ہے۔ لغوی اصل کی بنیاد پر مختلف وجوہ طے نہیں پاتیں جب کہ مشترک لفظ کے معانی کا تعدّد لغوی اصل کے باعث ہوتا ہے۔ جیسے صلاۃ کا لفظ قرآن میں متعدّد معنوں میں آیا ہے۔ یہ متعدّد معانی استعمال کے باعث پیدا ہوئے نہ کہ صلاۃ اصل کے اعتبار سے متعدد معنی رکھتا ہے۔ لغوی اصل کے اعتبار سے اس کا ایک ہی معنی "دعا" ہے۔ اس کے مقابل لفظ "نکاح" لغوی اصل کے اعتبار سے دو معنوں میں وضع ہوا ایک کا معنی عقد اور دوسرا وطی ہے۔ قرآنی نص میں لفظِ نکاح کے ایک معنی کو مفسّر وفقیہ دلائل سے متعین کرے گا۔

2 ۔ وجوہ میں کسی لفظ کے اندر ایک ہی مقام پر معانی کا تعدّد نہیں ہوتا بلکہ مختلف مقامات پر استعمال کے باعث معانی مختلف ہو کر متعدد ہو جاتے ہیں جب کہ مشترک میں ایک ہی جگہ پر معنوی تعدّد اصلاً پایا جاتا ہے۔

3۔ وجوہ میں تعدد سیاقِ کلام کے باعث ہوتا ہے۔ وجوہ کی تعیین سیاقِ کلام یعنی ماقبل کلام و مضمون سے ہوتی ہے جب کہ مشترک میں معنوی تعدد سیاقِ لغوی کے باعث ہوتا ہے۔

تعریفاتِ مشترک

امام سرخسیؒ (م483ھ) نے مفصل تعریف کی:

"اما المشترک : کل لفظ یشترک فیه معان او اسام لا علی سبیل الانتظام

[1]۔ عثمان احمد، ڈاکٹر، مباحث علوم القرآن، عکس پبلیکیشنز، لاہور2016ء، ص277۔ درج بالا وجوہ ونظائر کی بحث اس کتاب سے اخذ کی گئی اور حوالہ جات کے لیے اصل مصادر کی طرف رجوع کیا گیا۔

بل على احتمال ان يكون كل واحد هو المراد به على الانفراد۔واذا تعين الواحد مراد به انتفى الاخر"۔ [1]

"مشترک وہ لفظ ہے جو چند معانی یا چند اسماء کو شریک کیے ہوئے ہو لیکن یہ شرکت یکے بعد دیگرے ہو، بیک وقت نہ ہو اور جب ایک معنی متعین ہو جائے تو دوسرے کی نفی ہو جائے گی۔

پس واضح ہوا کہ مشترک اصل وضع کے اعتبار سے ایک سے زائد معانی پر مشتمل ہوتا ہے اور ایک ہی وقت میں سارے معانی مراد نہیں ہوتے۔ قرآنی نص میں ایک مفسّر یا فقیہ اپنے اپنے دلائل کی بنیاد پر ایک معنی متعین کرے گا۔

مشترک کا حکم

علامہ بزدویؒ (م482ھ) اس کا حکم بیان فرماتے ہیں:

"اما المشترک فحكمه الوقف بشرط التامل ليترجح بعض وجوهه للعمل به" [2]

"مشترک کا حکم یہ ہے کہ اس میں بشرطِ تامل توقف کیا جائے تاکہ اس پر عمل کرنے کے لیے کوئی ایک فرد راجح ہو جائے"۔

مشترک کا استعمال اور اس میں معنی کا خفی ہونا

تفسیر، لغت اور علمِ اصول میں مشترک لفظی کا استعمال موجود ہے۔ قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر مشترک لفظی کے واقع ہونے کی علما نے تصریح کی ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے قرآن وحدیث میں اشتراک لفظی پایا جاتا ہے۔ چونکہ قرآن وحدیث میں مشترک الفاظ کا استعمال موجود ہے تو یہ مشترک الفاظ صحابہ کرام، مفسّرین اور فقہا کے درمیان بے شمار احکام و مسائل میں اختلافات کا سبب بنے، اختلاف اس بات میں ہوا کہ اس لفظ سے شارع کی کیا مراد ہے؟ چنانچہ مراد کی تعیین میں اختلاف ہو گیا۔ ہر مفسّر نے اپنی علمی استعداد کے مطابق اس لفظ

1۔ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، اصول السرخسی، دارالمعرفۃ، بیروت، 1/126

2۔ بزدوی، علی بن محمد، حنفی، اصول بزدوی (کنز الوصول الی معرفۃ الاصول)، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص73

سے شارع کی مراد کی تعیین میں کوشش کی اور جب قرائن سے اس لفظ کی مراد اور تعیین تک رسائی نہ ہوئی تو جس جس معنی پر محمول ہو سکتا تھا کر دیا۔ اس تناظر میں قرائن تلاش کرنے اور معنی مرادی کی تعیین میں مفسّرین کے ہاں جہات کا اختلاف ہو گیا۔ ایک کے ہاں قرینہ قوی ہوتا اور دوسرے کے ہاں اس کا عکس ہوتا۔ اس سے واضح ہوا کہ کہ معانیٔ قرآن میں پوشیدگی ہے اور مفسّرین نے اس کو بیان کیا ہے۔

اب امثلہ کے ذریعے مشترک میں معنی کی پوشیدگی کی وجہ سے مفسّرین کے اختلافات کے موجود ہونے کے دعوی کو ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اشتراک لفظی اور مفسّرین کا اختلاف

مشترک لفظی متعدّد معانی کے پائے جانے کی وجہ سے اختلافاتِ مفسرین کے اسباب میں نہایت اہم سبب ہے۔ آئندہ امثلہ کی وضاحت میں صرف جہتِ اِخفاء اور اس کے دلائل ذکر ہوں گے۔ مشترک کا وجود اور اس کے سبب سے مفسّرین کے اختلاف کو بیان کیا جائے گا۔ اختلافات کے دلائل اور راجح مرجوح کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔

پہلی مثال: طلاق یافتہ حائضہ عورت کی عدت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾[1]

"اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء (حیض، طہر) تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں"۔

اس آیت میں مطلقہ حائضہ کو تین قروء کا حکم دیا جارہا ہے۔ اب قروء سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کے اختلاف کی وجہ سے یہ آراء سامنے آتی ہیں:

1۔ **قروء سے مراد حیض ہے:** یعنی وہ عورت تین حیض تک اپنے آپ کو روکے۔ یہ خلفائے راشدین، ابن مسعود، ابن عباس، حضرت انس، ابو موسی اشعری، سعید بن مسیب، علقمہ، الاسود، مجاہد، قتادہ، عطاء، طاؤس، سعید

---

[1]۔ البقرۃ 228:2

بن جبیر، ضحاک عکرمہ، عطاء خراسانی، امامِ اعظم، امام ثوری اور امام اوزاعی کا مذہب ہے [1]۔ جصاص(م370ھ) [2] زمخشری(م538ھ) [3] اور امام نسفی(م710 ھ) [4] نے بھی اسی مذہب کو اختیار فرمایا۔

2۔ **قروء سے مراد طہر ہے:** یعنی وہ عورت تین طہر عدت گزارے۔ یہ مذہب ابنِ عمر، حضرت عائشہ، زید بن ثابت، سالم، قاسم، عروہ، سلیمان بن یسار، ابان بن عثمان، عطاء بن ابی رباح، امام زہری، امام مالک، امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد سے مروی ہے [5]۔ امام طبری(م 310 ھ) [6]، الکیاالہراسی(م504ھ) [7]، ابنِ عربی(م543ھ) [8]، امام رازی [9]، امام قرطبی(م 671ھ) [10]، اور امام بیضاوی (م685ھ) [11] نے اسی موقف کو اختیار کیا۔

اس مسئلہ میں اختلاف کا سبب لفظِ **قروء** کا مشترک ہونا ہے۔ لغت میں اس کا اطلاق حیض اور طہر دونوں پر ہوتا ہے۔ احکام القرآن میں ابنِ عربی رقمطراز ہیں:

"كلمة القروءكلمة محتملةللطهر والحيض احتمالا واحدا" [12]

"کلمہ قروء حیض اور طہر دونوں میں سے ایک کے پائے جانے کا احتمال رکھتا ہے"۔

1۔ ابنِ کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، تحقیق: سامی بن سلامہ، دار طیبہ للنشر والتوزیع1420ھ، 608/1

2۔ جصاص، احمد بن علی ابو بکر، احکام القرآن، تحقیق: محمد صادق القمحاوی، دار احیاء التراث العربی، بیروت1405ھ، 55/2

3۔ زمخشری، محمود بن عمرو، جاراللہ، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دارالکتاب العربی، بیروت1407ھ, 1 /271

4۔ نسفی، عبداللہ بن احمد بن محمود، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، تحقیق وتخریج :یوسف علی بدیوی ،دارالکلم الطیب، بیروت1419ھ، 189/1

5۔ بیہقی، احمد بن حسین بن علی بن موسی، احکام القرآن للشافعی- جمع البیھقی، مکتبۃ الخانجی، القاہرۃ1414ھ، 242/1

6۔ طبری ، محمد بن جریر، ابو جعفر جامع البیان فی تاویل القرآن، تحقیق: احمد محمد شاکر، مؤسسۃ الرسالۃ1420ھ، 4, /513

7۔ الکیاالہراسی، علی بن محمد بن علی، احکام القرآن، تحقیق: موسی وعزۃ عبد عطیہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت1405ھ، 159/1

8۔ ابنِ عربی، محمد بن عبداللہ ابو بکر، احکام القرآن، تخریج وتعلیق: محمد عبد القادر عطا، دار الکتب العلمیہ، بیروت1424ھ، 252/2

9۔ مفاتیح الغیب، 6/ 436

10۔ قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: احمد وابراہیم اطفیش, دار الکتب المصریہ، القاہرۃ1384ھ، 3/ 115

11۔ بیضاوی، عبداللہ بن عمر، انوار التنزیل واسرار التاویل، تحقیق: محمد عبد الرحمن، داراحیاء التراث العربی، بیروت1418ھ، 141/1

12 احکام القرآن لابن العربی، 1/ 250

یہاں لفظِ مشترک میں جب لفظ کے اعتبار سے ایک معنی کی دوسرے پر ترجیح کا کوئی ظاہری قرینہ نہ پایا گیا تو ہر ایک نے دلائلِ خارجیہ سے اس میں ایک معنی کو ترجیح دینے کی کوشش کی اور اپنے اپنے دلائل کے اعتبار سے احناف نے اس کا معنی حیض لیا اور شوافع نے طہر مراد لیا۔ بنیادی طور پر یہاں معنی میں پوشیدگی ہے جس کی وجہ سے مفسّرین میں اختلاف ہوا۔ اب یہاں دلیل عربی لغت ہے دونوں گروہ عربی لغت سے استدلال کرتے ہیں۔ احناف اس شعر سے استدلال کرتے ہیں:

یا رب ذی ضغن علی فارض له قروء کقروء الحائض [1]

"میرے بے شمار تیر انداز دشمن ہیں جو اپنے جسم میں میری وجہ سے ایسے رستے زخم لیے ہوئے ہیں جس طرح عورت کے رحم سے ایامِ حیض میں خون رستا رہتا ہے"۔

اس شعر میں شاعر نے قروء سے مراد حیض لیا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے مراد حیض ہے۔

مشہور شاعر اعشیٰ نے لفظِ قروء کو اپنے اشعار میں طہر کے معنی میں استعمال کیا ہے:

افی کل عام انت جاشم غزوة تشد لاقصاہا عزیم عزائکا

مورثة مالا و فی الحی رفعة لما ضاع فیها من قروء نسائکا [2]

"کیا ہر سال تم ایک نئی جنگی مہم میں گھس جاتے ہو اور تمہارا ہر عزم ابتداء سے اس کی انتہا تک پہنچتا ہے جس کے نتیجے میں تم عزت حاصل کرتے ہو جو تمہاری ایک موروثی صفت ہے اور اپنے خاندان میں بلندی حاصل کرتے ہو، اس لیے کہ اس عمل کے نتیجے میں تمہاری عورتوں کے ایامِ طہارت ضائع ہو جاتے ہیں"۔

یہاں قروء طہر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے ان خواتین کے طہر اپنی جنگ میں ضائع کر دیئے اور جنگ کو ان پر ترجیح دی۔

ان اشعار میں طہر مراد لیا جا رہا ہے جس کی وجہ سے ایک گروہ نے اس معنی کو ترجیح دی۔ بحث کا ماحاصل یہ

---

[1] ۔ماوردی، علی بن محمد بن محمد بن حبیب، النکت العیون، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1/ 291۔ الجامع لاحکام القرآن 3/ 114

[2] ۔الصحاح تاج اللغة وصحاح العربیة، 1/ 64۔ النکت والعیون، ج 1/ 291۔ الجامع لاحکام القرآن، 3/ 113۔ ابنِ قیم، محمد بن ابی بکر بن ایوب، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسة الرسالة، بیروت 1415ھ، 5/ 505

ہے کہ لفظ میں اشتراک کے سبب اس کے معنی مرادی کی تعیین میں اختلاف پیدا ہوا نتیجتاً اپنے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے مفسّرین نے قرائن اور دلائلِ خارجیہ سے ایک ایک معنی متین کر لیا۔

حاصلِ کلام

قرآن کریم ہدایتِ انسانی کا ذریعہ ہے اس کا اطلاق اس کے الفاظ اور معانی دونوں پر ہوتا ہے قرآن کریم میں عربیت، فصاحت اور زبان و بیان کے کمالات و بلندی کے باعث معانی میں پوشیدگی اور بُعد کا پایا جاتا ہے۔ اسی کو علما نے اخفاء کا نام دیا، اخفاء کے علمانے بہت سارے اسباب بیان کیے ان اسباب میں سے ایک سبب مشترک ہے اللہ تعالی نے انسانوں کی زبان میں سے کلام کرتے ہوئے معانی میں تنوع، تکثیر، تاکید اور تفہیم کے تمام لسانی اسالیب اختیار فرمائے ان اسالیب میں سے ایک مشترک ہے مشترک وہ لفظ ہے جو اپنی لغوی اصل کے اعتبار سے دو یا دو سے زیادہ معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ قرآن و حدیث میں مشترک الفاظ کا استعمال موجود ہے تو یہ مشترک الفاظ صحابہ کرام، مفسّرین اور فقہا کے درمیان بے شمار احکام و مسائل میں اختلافات کا سبب بنے، اختلاف اس بات میں ہوا کہ اس لفظ سے شارع کی کیا مراد ہے؟ چنانچہ مراد کی تعیین میں اختلاف ہو گیا۔ ہر مفسّر نے اپنی علمی استعداد کے مطابق اس لفظ سے شارع کی مراد کی تعیین میں کوشش کی اور جب قرائن سے اس لفظ کی مراد اور تعیین تک رسائی نہ ہوئی تو جس جس معنی پر محمول ہو سکتا تھا کر دیا۔ مذکورہ بحث میں اس کو ثابت کیا گیا کہ معانیٔ قرآن میں اخفاء موجود ہے اور امثلہ کے ذریعے نقطہ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی۔